ایک حدیث

# حسنِ خُلق

ہمارے علمائے کرام نے دین کے چار بڑے اجزا بتائے ہیں :

(۱) عقائد (۲) عبادات (۳) اخلاق اور (۴) معاملات۔

یہ چاروں حصّے غلط نہیں۔ فی الواقع اسلامی زندگی کے یہ چار بڑے حصّے ہیں لیکن یہ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ یہ کوئی ایسے الگ الگ خانے نہیں جن میں ہر ایک خانہ دوسرے خانوں سے بے تعلق ہو یا دور کا تعلق رکھتا ہو۔ بلکہ یہ چاروں اجزا ایک دوسرے سے ایسے جُڑے ہوئے، باہم پیوستہ اور ایک دوسرے میں مدغم ہیں کہ کسی ایک جز کو دوسرے سے الگ اور بے تعلق نہیں کیا جا سکتا۔ یہ سب مل کر ایک وحدت ہیں اور کسی ایک کا فقدان دوسرے اجزا کے فقدان کو مستلزم ہے اور اسی طرح ایک کا وجود دوسرے کے وجود کو لازمی کر دیتا ہے۔ اگر عقائد نہیں تو عبادات بھی نہ ہونگی اور اگر اخلاق درست ہیں تو معاملات بھی صاف ہوں گے۔ ان سب کی وحدت کی مثال ایسی ہے جیسے ایک کمرے میں اگر چار بتیاں چاروں کونوں میں روشن ہوں تو دیکھنے میں وہ چاروں الگ الگ معلوم ہونگی لیکن ان چاروں کی روشنی باہم ایسی گتھی ہوئی ہوں گی کہ یہ تمیز نہیں کیا جاسکے گا کہ کس بتّی کی روشنی کہاں تک ہے جس کے بعد دوسری بتی کی روشنی شروع ہوتی ہے۔ یہ چاروں روشنیاں مل کر ایک وحدت ہونگی۔ یہی صورت ان چاروں اجزائے دین کی بھی ہے کہ دیکھنے میں تو الگ الگ حصّے ہیں لیکن نتائج کے لحاظ سے یہ سب مل کر بیک وقت انسان کی سیرت پر اثر انداز ہوتے ہیں اور سیرت انسانی ان چاروں کو ساتھ ساتھ لے کر چلتی ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ عقائد تو بڑے ستھرے ہوں اور معاملات گندے ہوں یا عبادات درست ہوں اور اخلاق نادرست ہوں۔ اگر اعتقاد و عمل میں اس طرح کا تخالف نظر آئے تو سمجھ لینا چاہئے کوئی جز یقیناً ناممکل ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص اعتقاد تو یہ رکھتا ہو کہ سنکھیا قاتل ہوتی ہے اور اس اعتقاد کے باوجود سنکھیا کھالے۔ خودکشی کی نیت ہو تو اور بات ہے ورنہ سنکھیا کھانے کا کوئی ارادہ بھی نہیں کر سکتا کیونکہ عقیدہ اسے روک دے گا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اگر خودکشی بھی کرنی ہو تو یہ ایک محکم عقیدے کے بغیر نہ ہوگا۔ پہلے اس کا یہ عقیدہ ہوگا کہ فلاں چیز کھانے سے موت آتی ہے۔ یہ کبھی نہ ہوگا کہ بلانا تو وہ چاہے موت کو مگر زہر کی بجائے حلوے کا نوالہ چکھے۔ اگر کہیں بھی عمل کی کمزوری نظر آئے تو یقیناً یہ کسی اعتقادی کمزوری کا نتیجہ ہوگا۔ عقیدہ محض زبانی اقرار کا نام نہیں بلکہ یہ ایک ایسے یقین کا نام ہے جو

کسی عمل کا محرک ہوتا ہے۔

کہنا یہ ہے کہ حُسنِ خلق ایک ایسا جزوِ دین ہے جسے دین کے دوسرے اجزا سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی انسان خوش عقیدہ یا خوش عبادت وغیرہ تو ہو مگر خوش خُلق نہ ہو۔ اور اگر خوش خلق ہے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کے باقی اجزائے دین ہی کا یہ اثر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرمؐ کے متعلق فرمایا:

انك لعلیٰ خلق عظیم۔

یقیناً آپ تو خلق عظیم پر قائم ہیں۔

خود حضورؐ کا ارشاد ہے کہ:

بعثت لاتمم حسن الاخلاق۔ (رواہ ابوداؤد عن مالک)

میں تو حسنِ اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث ہؤا ہوں

بعض روایتوں میں "حسن الاخلاق" کی بجائے "مکارم الاخلاق" آیا مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔

جو لوگ صرف نماز روزے کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں اور حسنِ خلق کا کوئی مقام نہیں سمجھتے ان کے لئے ارشاد ہؤا:

ان المومن لیدرك بحسن خلقہ درجۃ الصائم القائم۔ (رواہ ابوداؤد عن عائشہؓ)

مومن اپنے حسنِ خلق کی وجہ سے صائم النہار اور شب زندہ دار کا درجہ پالیتا ہے۔

یہ حدیث بڑی غور طلب ہے۔ بظاہر تو اس کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ ایک آدمی بلا قیام و صیام بھی مومن ہو سکتا ہے۔ اور اگر وہ نماز روزے سے بے تعلق بھی ہو تو محض حسنِ خلق کی وجہ سے اس کا شمار نمازی، روزے دار میں ہو گا۔ لیکن ہمارے نزدیک اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ مومن تو بہر حال نمازی روزے دار ضرور ہوتا ہے لیکن نماز روزہ کرنے والے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو رسمی طور پر اسے ادا کر لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے فرض ادا کر لیا مگر ان کی زندگی پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ بعض اوقات اُلٹا اثر پڑتا ہے یعنی وہ ہر طرح کی بددیانتی کرتے رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ نماز روزہ کرنے سے تمام خلاف اخلاق گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اور دوسرے وہ لوگ ہوتے ہیں جو نماز روزے کو محض رسماً نہیں ادا کرتے بلکہ اس کے تقاضوں کو بھی سمجھتے ہیں اور اس کے تقاضے ان کی زندگی کے معاملات پر نمایاں اثر رکھتے ہیں۔ دراصل قیام و صیام کا درجہ انہیں کو حاصل ہوتا ہے بس اس حدیث کا مطلب یہ ہؤا کہ محض رسم ادا کر لینے سے صائم و قائم کا درجہ نہیں مل جاتا بلکہ اس کے تقاضوں کا اظہار کی زندگی پر حسنِ خلق کی شکل میں نمایاں ہو تب سمجھنا چاہیئے کہ انہوں نے صائم و قائم کا درجہ حاصل کیا۔ اور یہ بھی بالکل صحیح کیونکہ قیام و صیام کا مقصد خدا سے اپنا رابطہ پیدا کرنا ہے اور یہ معلوم کرنے کے لئے کہ آیا کسی کا رابطہ خدا سے صحیح اور

قوی ہے۔ ہے یا نہیں ایک ہی کسوٹی ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا کے بندوں کے ساتھ اس کا رابطہ صحیح ہے یا نہیں۔ اگر صحیح ہے تو یہی حسنِ خلق ہے۔ اور اگر خدانخواستہ ایسا نہ ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس کا رابطہ خدا سے بھی درست نہیں اور اس کا قیام صیام محض رسمی ہے اور اس مومن کا ایمان بھی ابھی رسمی ہی ہے اور اس کی تکمیل کے ارتقائی مدارج ابھی طے نہیں ہوئے ہیں چنانچہ ایک دوسری روایت میں تکمیلِ ایمان کا ذریعہ ہی حسنِ خلق کو بتایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوا:

ان من اکمل المومنین ایمانا احسنھم خلقا والطفھم باھلہ۔ (رواہ الترمذی عن عائشہؓ)

جس کے اخلاق سب سے بہتر ہوں اور جو اپنے اہل و عیال پر سب سے زیادہ مہربان ہو وہی ایمان میں بھی سب سے زیادہ کامل ہے۔

یہاں اہل و عیال پر مہربان ہونے کے ذکر کا مطلب یہ نہیں کہ یہ حسنِ خلق سے کوئی الگ چیز ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہی پہلا قدم ہے حسن خلق کی طرف۔ اس شخص کے حسن خلق کا کوئی وزن نہیں جس کا اظہار گھر کے اندر نہ ہو۔ انسان کا اپنا گھر ہی سب سے بڑا مقیاس ہے اور ساری نیکیاں گھر ہی سے شروع ہوتی ہیں۔

اس سلسلے میں ایک اور حدیث بھی بڑی قابلِ غور ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ:

ما من شئ اثقل فی میزان المومن یوم القیمۃ من خلق حسن.... (رواہ الترمذی عن ابی الدرداء)

بروزِ حشر اچھے اخلاق سے زیادہ کوئی چیز بھی مومن کی میزان میں زیادہ وزنی نہ ہوگی......

ذرا غور کیجئے کہ اس حدیث میں نہ صوم و صلوٰۃ کو اتنا وزنی بتایا گیا ہے نہ دوسرے اوراد و وظائف کو۔ اس سے خود اس حدیث کے مطلب پر بھی روشنی پڑتی ہے جس میں خلق حسن کے ذریعے صائم و قائم کا درجہ حاصل کرنے کا ذکر ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوگا کہ حسن خلق آخر ہے کیا چیز؟ اس کی کیا تعریف ہے اور اس سے کیا مراد ہے؟ تو بات یہ ہے کہ منطقی تعریف تو دراصل کسی شے کی بھی نہیں ہو سکتی۔ یہ ایک حد تک ہی عقلی طور پر کسی بات کو سمجھنے کے لئے مدد دے سکتی ہے۔ لیکن انسان کے اندر ایک ایسا وجدانی مادۂ احساس رکھا گیا ہے جو ہر چیز کے متعلق فیصلہ کر لیتا ہے کہ یہ اچھی ہے یا بری۔ بداخلاقی ہے یا خوش خلقی؟ بلاشبہ اس کے مختلف مدارج ہیں اور مزاج میں جتنی لطافت آتی جائے گی اتنا ہی اس کی نزاکتوں کا احساس ترقی پذیر ہوتا جائے گا۔ اس کے باوجود کچھ اخلاقی قدریں ایسی بھی ہیں جن کو پرکھنے کی عام کسوٹی انسان کی فطرت میں موجود ہے۔ اسی کو قرآن کہتا ہے کہ فالھمھا فجورھا وتقوٰھا۔ (اللہ نے ہر نفس میں فجور و تقوے کی تمیز رکھی ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک دوسرے انداز سے یوں بیان فرمایا ہے کہ:

لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ۔

اس وقت تک تم میں سے کوئی مومن نہ ہوگا جب تک اپنے بھائی کے لئے بھی وہی نہ پسند کرے جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ کچھ باتیں ایسی ہیں جن کو انسان اپنے لئے پسند نہیں کرتا۔ اور کچھ باتوں کو پسند کرتا ہے۔ انسان خود جو کچھ کسی کے مقابلے میں ہوتا ہے وہی کچھ کوئی دوسرا اس کے مقابلے میں ہوتا ہے۔ اگر زید کسی کا باپ ہے تو کسی کا فرزند بھی ہوگا۔ اگر کسی کا شاگرد ہے تو کسی کا اُستاد بھی ہے۔ کسی کا افسر ہے تو کسی کا ماتحت بھی ہے۔ غرض جو کچھ وہ خود کسی کے لئے ہے وہی کچھ کوئی اور اس کے لئے بھی ہے۔ پس اسے یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ جس کے ساتھ کچھ کر رہا ہے وہی کچھ اسی مرتبے کا دوسرا آدمی خود اس کے ساتھ کرے تو اسے گوارا ہوگا یا ناگوار۔ اگر وہ کوئی سلوک اپنے باپ کے ساتھ کرتا ہے تو دیکھ لے کہ یہی سلوک اگر فرزند میرے ساتھ کرے تو مجھے کیسا لگے گا؟ اگر وہ اسے پسند کرے تو سمجھ لے وہ فطرۃً پسندیدہ ہے اور وہ کرنا چاہئے لیکن اگر اسے ناگوار ہو تو سمجھ لے کہ یہ قابلِ ترک ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ جو شخص کسی کے ساتھ کچھ کرتا ہے تو پہلے یہ دیکھ لے کہ اگر یہ میری جگہ ہو اور میں اس کی جگہ ہوں اور وہ یہی بات میرے ساتھ کرے جو میں اس کے ساتھ کر رہا ہوں تو مجھے گوارا ہوگا یا ناگوار؟ بس اتنی سی بات اچھے اور بُرے اخلاق کی عمدہ کسوٹی بن جائے گی۔

فطرت کی اسی آواز ہی کو قرآن "الہام فجور و تقویٰ" کہتا ہے جس کا ہر روز زندگی میں تجربہ ہوتا رہتا ہے۔ دیکھئے ایک چور جب چوری کرتا ہے تو اپنی کامیابی پر بڑا خوش ہوتا ہے۔ لیکن اگر خود اس چور کے گھر کوئی دوسرا چور چوری کرے تو اسے سینکڑوں گالیاں دیتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جس کام پر وہ خود خوش ہوتا ہے اسے دوسروں کے لئے کیوں بُرا سمجھتا ہے؟ کیا یہ فطرت کی وہی آواز نہیں جو بے ساختہ اندر سے پیدا ہوتی ہے اور جسے قرآن الہام فجور و تقویٰ کہتا ہے درحقیقت برائی کو برائی کرنے والے کی فطرت بھی بُرائی ہی سمجھتی ہے اور اسی طرح ہر ایک کی فطرتِ اچھائی کو اچھائی سمجھ لیتی ہے۔ اس کیلئے کسی منطقی تعریف یا استدلال کی ضرورت نہیں۔ فطرت کی آواز سب سے مکمل تعریف و استدلال ہے اور فطرت ہی کسی چیز کے متعلق بدخلقی یا حسن خلق ہونے کا صحیح فیصلہ کر لیتی ہے۔

(محمد جعفر)

---


## ریاض السنت

مصنفہ مولانا سید محمد جعفر شاہ پھلواروی
قیمت آٹھ روپے

## مقام سنت

مصنفہ مولانا سید محمد جعفر شاہ پھلواروی
قیمت دو روپے

منیجر ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور